احمد عبداللہ
ڈاکٹر غلام عباس گوندل
سرگودھا یونیورسٹی، سرگودھا

مذہب اور فنونِ لطیفہ

Some religions of the world enhance different forms of art as Hinduism provided religious base for the music, painting and sculpture while Buddhism took the art of sculpture to heights and became famous under the name of Gandhara art. Though some famous Islamic thoughts remained against Art due to which Art could not get the respect and honor among the Muslims which has been discussed earlier in other works. In this article this aspect of Islamic thought has been discussed.

کسی قوم کے فکری اظہار جہاں دانشوروں کی تحریروتقریر میں ملتے ہیں وہیں ان خیالات کا حسّی وجمالیاتی اظہار فنون لطیفہ کی صورت میں ہوتا ہے۔فنون لطیفہ سے اُس قوم کے فکری زاویوں کا پتہ چلتا ہے کہ وہ قوم فکر و تخیل میں کس ارفعیت کی حامل ہے۔

فنون لطیفہ کا مقصد بیان کر تے ہو ئے ہادی حسین لکھتے ہیں۔

فنون لطیفہ کا مقصد انسان کے جمالیاتی ذوق کی تسکین کے ذریعے اس کی زندگی کو خوشگوار بنانا ہے جو بجائے خود ایک اہم انسانی قدر ہے۔لیکن یہ قدر دوسری انسانی اقدار سے علیحدہ کوئی حیثیت اور کوئی معنی نہیں رکھتی۔اگر دوسری چیزیں جو انسانی زندگی میں حسن،تناسب ، تسکین اور راحت پیدا کرتی ہیں ،موجود نہ ہو ں تو جمالیاتی لذت محض خود فریبی ہے۔چنانچہ فنون لطیفہ کا ایک کام یہ بھی ہے کہ وہ ان بنیادی انسانی اقدار کو فروغ دیں جو ملکوں ، معاشروں ،طبقوں ، مذہبوں ، فلسفوں اور تہذیبوں کی زمانی و مکانی سرحدوں کو کاٹتی ہو ئی انسانی کلچر کی ابتدا سے انسانوں کے لطیف ترین جذبات ، حسین ترین خیالات اور بلند ترین عزائم کو دعوت اظہار و عمل دیتی چلی آ ئی ہیں۔یعنی محبت ، ہمدردی ، د ل نوازی

،برد باری ، انصاف ، مساوات ، اخوت یا ایک لفظ میں' انسان دوستی'۔ (۱)

یہ وہ عالم گیر معیار ہیں جن کا حامل فن پارہ آفاقیت کا حامل اور دوام سے معزز ہوتا ہے۔فن کار کی ارفع شان عالم گیر انسان دوستی کے جذبات سے قائم ہو تی ہے اسی لیے کہا جاتا ہے کہ فن کی حدود نہیں ہوتیں وہ کائناتی ہو تا ہے اور فن کا مذہب بھی نہیں ہوتا اگرچہ مذہب سے وابستہ لوگ فن سے بھی وابستہ ہوتے ہیں تاہم فن کا کوئی مذہب نہیں ہوتا اور اگر مذہب کی بنیاد پر فن کی مخالفت کی جائے تو وہ اچھے برگ و بار نہیں لاتی۔جیون خان جو ایک نامی بیوروکریٹ رہے ہیں انھوں نے اپنی آپ بیتی ''جیون دھارا'' میں بنگالیوں کی مغربی پاکستان سے نفرت میں ایک عامل ٹیگور کے گیتوں کے نشر ہونے پر پابندی کو قرار دیا ہے جو کسی سرکاری دانشور کی طرف سے ریڈیو پر لگا ئی گئی تھی۔اگرچہ یہ معاملہ ۱۹۶۵کی جنگ کا تھا اور یہ پابندی محض ہندو شاعر سمجھتے ہوئے لگائی گئی ہو گی تاہم اس پابندی نے بنگالیوں کے قلب و ذہن میں پنپ رہی نفرت کو اور بڑھا دیا جو ان کے محبوب فن کار کے گیتوں پر لگائی گئی تھی۔(۲)

یوں تو حسن و قبح کے عالم گیر معیار بہت اہم ہیں تاہم ان عالم گیر معیارات کے ساتھ ساتھ کچھ معیار مقامی بھی ہوتے ہیں یہ مقامی معیار اس خاص علاقے کی جغرافیائی صورتحال ، نظریہ حیات اور فکری و جذباتی صورت حال سے نشو ونما پاتے ہیں یوں کسی بھی قوم یا ملک کے فنون لطیفہ کے انفرادی رنگ بھی ہو تے ہیں جو اُس خطے سے نباتات کی طرح پیدا ہو تے ہیں۔الگ الگ علاقوں میں پیدا ہونے والے ایک ہی پھل کا ذائقہ اور رنگ جیسے لطیف سے فرق کا حامل ہو تا ہے ایسے ہی ایک فن جغرافیائی تعلق کی نسبت سے لطیف فرق کا حامل ہوتا ہے۔پھر اس کے ساتھ ساتھ درآمدی اثرات بھی اس قوم کے فکر و فلسفے اور فنون لطیفہ میں دیکھے جاسکتے ہیں برصغیر میں آریاؤں سے لے کر انگریزوں تک جو بیرونی اثرات آ ئے اُن کی جھلکیا ں بر صغیر کے فنون لطیفہ میں بالعموم اور فن تعمیر میں بالخصوص نظر آتی ہیں۔

ڈاکٹر تنویر احمد علوی رقم طراز ہیں:

جنوبی ہندوستان کے بعض مندروں میں گھوڑوں کی لمبی لمبی قطاریں ملتی ہیں وسطی عہد میں گھوڑے کا یہ تہذیبی اثر و نفوذ عرب اثرات کی نشاندہی کرتا ہے۔ستونوں کی تراش خراش میں بھی اس

اثر کو دیکھا جا سکتا ہے اور اگر ہم گوا اور اس کے تاریخی آثار کو دیکھیں تو عیسائی مشنریوں ، سیاست دانوں ، تاجروں اور صاحب حکومت لوگوں کے تمدنی اثرات نے جو اپنے نقوش یاد گار چھوڑے ہیں وہ بھی نیرنگی اور ہم آہنگی کا عجیب و غریب مرقع پیش کرتے ہیں اور اس حقیقت کے غماز ہیں کہ زمانہ بہ زمانہ جو فکر و فن کے دائرے نمود پذیر ہو تے ہیں ان میں علاقائی اور غیر علاقائی اثرات کیسے ایک دوسرے کومتاثر کرتے ہیں اور فکر و فلسفے کی پر چھائیاں کس طرح فنون لطیفہ میں ایک خاص طرح کے تحرک اور تسلسل کا سبب بنتی ہیں۔[۳]

عرب اثرات کو وادی سندھ و ہند کی ثقافتی تشکیل میں آسانی سے تلاش کیا جا سکتا ہے تاہم اس کے اثرو نفوذ کا زیادہ اظہار سندھ اور راجھستان میں زبان کے رسم الخط اور اونٹوں سے وابستہ ثقافتی اظہار میں واضح نظر آ تا ہے۔

کسی علاقے کی فنی تشکیل کو اس علاقے کی ثقافتی تشکیل سے ایک خاص نسبت ہو تی ہے کیوں کہ فن ثقافتی عمل کا ہی لطیف اظہار ہے اس لیے اِسے فنی تشکیل کو مدّنظر رکھتے ہوئے سمجھنا چاہیے۔جیسے ثقافتی عمل میں آلات و اوزار ، نظامِ فکرواحساس ، طبعی حالات اور سماجی اقدار اجزائے ترکیبی کی حیثیت رکھتی ہیں بالکل اسی طرح فنون لطیفہ بھی انہی اجزائے ترکیبی سے نمو پاتے ہیں اور ان میں سے کسی کو بھی نظر انداز کر کے کسی خاص پہلو پر زور دے کر فنی تشکیل کی خواہش انسانی تہذیب اور تہذیبی مظاہر کی نفسیات کو سمجھے بغیر ارضی حقائق سے فرار پر مبنی ہے جس پر زبانی گفتگو تو کی جاسکتی ہے تاہم عملی طور پر ایسا ممکن نہیں ہے۔

پاکستان میں فنونِ لطیفہ کو ایسی ہی صورت حال کا سامنا ہے کہ تہذیبی و فنی تشکیل کی نفسیات کو جانے بغیر ایک مثالی مذہبی ریاست کا خاکہ ذہن میں رکھتے ہوئے محض مذہبی بنیاد پر تہذیب و فن کی تشکیل کی کوشش کی جاتی رہی ہے اور اس کا نتیجہ منطقی طور پر صفر کے سوا کچھ ہو نہیں سکتا۔کیوں کہ جس طرح انسانی فطرت ایک منہ زور گھوڑے کی طرح بار بار انسانی گرفت سے نکل جاتی ہے اسی طرح ارضی فطرت بھی اپنے اظہار کے راستوں پر بندش گوارا نہیں کرتی اور آرٹ کو تو بالخصوص کسی خاص نظریے کاپابند بنایا ہی نہیں جا سکتا کیوں‌کہ آرٹ خود ایک عالمگیر نظریے کا حامل ہو تا ہے۔اس عالمگیر نظریے سے صرفِ نظر ممکن ہی نہیں اور اگر ایسا کر نے کی کوشش کی بھی جائے تو آرٹ غائب ہو

جائے گا صرف نظریہ باقی رہ جائے گا جیسا ترقی پسندوں کے بعض فن کاروں کے ساتھ ہوا یا ان کے متوازی اسلامی فکر کے حامل فن کاروں کے فن سے سلوک کی صورت میں دیکھا جا سکتا ہے۔

علی عباس جلالپوری لکھتے ہیں

سوویت روس میں مصوری کی بد قسمتی ہے کہ اس کو محض اشتہار نگاری اور پروپیگنڈے کا وسیلہ بنا دیا گیا۔اگر آرٹ اور عوام کے درمیان رابطہ پیدا کر نے کا یہی تصور ہے تو ظاہر ہے کہ ایسے ماحول میں دوامی آرٹ کبھی نہیں پنپ سکے گا۔میں پہلے کسی کسی جگہ بیان کر آ یاہوں کہ آرٹ کو کبھی کسی نظریہ کا غلام نہیں بنایا جا سکتا اور اس کا باغیانہ عنصر قید وبند میں جکڑا نہیں جا سکتا۔(۴)

آرٹ سے وابستہ لوگوں اور آرٹ کے ناقدین کو بس یہ بات سمجھنے کی ضرورت ہے کہ جب فن کسی نظریے کا غلام بن جاتا ہے تو وہ فن نہیں رہتا محض نعرہ بن جاتا ہے اور نعرے کی گونج وقتی طور پر بہت بلند ہو سکتی ہے لیکن تا دیر نہیں رہ سکتی اس لیے آرٹ کا باغی پن برقرار رہنا چاہیے اور جہاں تک اس بات کا سوال ہے کہ نظریے سے کیا سلوک کیاجائے گا تو ہم یہ بات پہلے بیان کر آ ئے ہیں کہ وہ نظام فکر و احساس فن کی بُنت میں لا شعوری طور پر شامل ہو تا ہی ہے اُس سے صرفِ نظر نہیں کیا جا سکتا البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ معاشرے میں نظام فکر کی ورائٹی میں سے اُس کا جھکاؤ کس طرف ہے اور یہی اصل بات ہے کہ فن کار کو اس جھکاؤ کی آزادی ملے۔اُس پر معاشرتی دباؤ نہ ہواگر دباؤ ہو گا تو فن کی فطرت مجروح ہو گی اور وہ فطری پن سے محروم ہو کر بناوٹ سے متصف ہو جائے گا جس میں خلوص نہیں ہو گا۔اسی بناوٹ نے ہمارے معاشرے میں منافقت کو جنم دیا ہے اور نظریاتی دبائو اس کا بہت بڑا سبب ہے۔اس کا حل آزاد فکر اور آزاد اظہار کی اجازت کے سوا کچھ اور نہیں ہے۔اشتراکی نقطہء نظر کے حامل علی عباس جلالپوری کا آرٹ کے بارے میں محولہ بالا نظریہ بالکل فن کی فطرت کے مطابق ہے اس لیے قابل عمل ہے۔اگرچہ خود اشتراکی بھی روس اور پاک و ہند میں اس نظریے پر پورے طور پر عامل نہیں ہو سکے اور چند ادبا و فن کاروں کے علاوہ باقی سب اشراکیت کی جامد باز گشت بن کر رہ گئے۔علی عباس جلالپوری کا فن کے بارے میں یہ نظریہ محض اُن کی ذاتی پر داخت نہیں بلکہ اشتراکی مفکرین اس حوالے سے واضح نقطۂ نظر رکھتے ہیں۔والکوف اپنی کتاب ''نیست پیغمبر'' میں لکھتے ہیں۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ آرٹ ہی ہے جو فرد کی ان صلاحیتوں کو نشو ونما دیتا ہے جو فکر کے سکڑ جانے کے خلاف معتبر ضمانت ہو تی ہیں اور یہ بہ یک وقت تخلیقی جذبے کے خمیر ہو تی ہیں۔نئے تصورات کی پیدائش کے لیے نہ خشک ہو نے و الے سر چشمے۔آرٹ دنیا کو ایک مجموعے ، ایک کل کی حیثیت سے دیکھنے کی اہلیت ہے۔یہ تناسب ، ہم آہنگی اور خوبصورتی ، پرواز تخیل ، خیال آرائی اور ادراک کا ایک احساس ہے۔یہ مزاح اور پھر طنز کا ایک احساس ہے۔(۵)

آرٹ کی مذکورہ خصوصیت اس بات کی متقاضی ہے کہ وہ محض کسی وقتی،علاقائی، مذہبی ، سیاسی اور اخلاقی نظریے کا ترجمان نہ ہو بلکہ آرٹ کی آفاقی و عالم گیر اقدار کا حامل ہو۔تاہم جزو ی طور پر مذکورہ نظریات کی اثر پذیری سے انکار ممکن نہیں ہے۔آفاقی آرٹ کی حامل آزاد فکر بھی بہر حال فکرہی ہو تی ہے اور آزادی کی حامل ہو نے کے باوجود مقامی مسائل ومعاملات سے بے نیاز نہیں ہو سکتی۔

یہاں ہم ایک اور بات بھی بیان کرنا چاہتے ہیں کہ شاید تخلیقی زور کی کمی کو نظریے کے زور پہ پورا کر نے کی کوشش بھی تخلیق کارکو گمراہ کرتی ہے۔یہ گمراہی اس لیے فن کار قبول کر لیتا ہے کہ یہ اپنے ساتھ قبولیت لا تی ہے۔چند ہی فنکار ایسے ہوتے ہیں جو قبولیت سے بے نیاز ر ہ کے محض اپنے خیال کے اظہار کو فن کی معراج سمجھتے ہیں جو فن کی فطرت ہے۔غالب کو ایسے ہی کسی باغی لمحے میں یہ کہنا پڑا تھا

نہ ستائش کی تمنا، نہ صلے کی پروا
گر نہیں ہیں مرے اشعار میں معنی ،نہ سہی

حاصل کلام یہ کہ فنکار کا نظام فکرو احساس سے متاثر ہو نا اور بات ہے اور کسی نظریے کو بیساکھی کے طور پر استعمال کرنا بالکل مختلف بات۔جب فنکار کسی نظریے کو بیساکھی کے طور استعمال کر ے تو وقتی طور پہ وہ کچھ شہرت حاصل کر لیتا ہے تاہم اُس کا فن آفاقیت سے محروم ہو تا ہے اس لیے جیسے ہی بیساکھی ٹوٹتی ہے فن بھی زمین بوس ہو جاتا ہے۔

آزادی اظہار۔۔۔۔۔۔۔۔۔معاشرے کی ضرورت

آزادی اظہار سے جہاں انفرادی طور پر فن کار کا خلوص بروئے کار آتا ہے اور منافقت کو

پنپنے کا موقع نہیں ملتا وہیں آزادی اظہار کا ایک بہت بڑا فائدہ معاشرے کی نشو ونما میں ہوتا ہے۔اگر یک رخی تحریک چل رہی ہو تو ممکنات کی اس دنیا کے بہت سے گوشے انسان سے مخفی رہ جاتے ہیں اور معاشرہ یکسانیت کا حامل ہو جاتا ہے اور قوت پرواز مضمحل ہو جاتی ہے، کیوں کہ پرواز کو بلند اور موثر کرنے کے لیے تندیِ باد مخالف کی بہر طور ضرورت ہو تی ہے اس لیے اظہار کی آزادی کسی بھی سو سائٹی کا اوّلین تقاضا ہے جس سے غلط اور صحیح ، حُسن و قبح کی حیثیت اضافی ہو جا تی ہے اور اُس مخصوص معاشرے کی تہذیبی و فنی تشکیل آزاد مکالمے سے وجود پذیر ہو تی ہے۔اور یہ بات عمرانیات کی رو سے بہت ضروری ہے کہ ارضی حقائق سے آنکھیں نہ چرائی جائیں۔

پاکستا ن میں آزادی اظہار میں سب سے بڑی رکاوٹ مذہبی حوالے سے ہو تی ہے جس سے کسی بھی موضوع پر آزاد مکالمے کے امکانات کم یا بعض اوقات ختم ہو جا تے ہیں۔یہ بات خود مذہب پر ایک بہت بڑا سوالیہ نشان لگاتی ہے کہ شاید مذہب اُن سوالوں کا جواب دینے سے قاصر ہے جو آزاد فکر سے پیدا ہوتے ہیں اور حاملین مذہب اس خامی کو دور کرنے کی بجائے اسے قبول کر لیتے ہیں۔انہیں بھی خود پہ اعتماد نہیں ہے کہ فکر و اظہار کی آزادی کے باوجود مذہب کا اعتبار قائم رہ سکتا ہے۔اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ مذہب خیال پر بندش لگائے بغیر رخش فکر کو آزاد دوڑنے دے اور اس آزادی سے جو سوالات جنم لیں ان کے مُسکِت جواب دے۔یہ اگرچہ ایک چیلنج ہے تاہم چیلنج سے آنکھیں چرانے کی بجائے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے سے ہی بدلتے حالات اور مختلف جغرافیائی صورت حال میں مذہب کا اعتبار قائم رہ سکتا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ اس سے تہذیب و ثقافت اور فنون کی معروضی صورت حال کے مطابق مثالی تشکیل بھی ممکن ہے وگرنہ محدود دائرے میں سوال و جواب کی گردش نتیجہ خیز ہو سکتی ہے نہ وقت اور ماحول کے بدلتے ہوئے تقاضوں سے نبرد آزما ہوا جا سکتا ہے۔

فنون لطیفہ کے باب میں مختلف فنون کے حوالے سے اسلام کا مر وّج رویہ ظاہر و باہر ہے۔ اگر فنون پر ایسی ہی قدغنیں بر قرار رہیں جو فن کے حسن و قبح ،مفید اور غیر مفید یا نقصان دہ کے دائرے متعین کر نے کی بجائے فی الاصل فن کو ہی غلط قرار دیتی ہوں تو ان مباحث کا حاصل بحث برائے بحث کے سوا کچھ نہیں ہے۔

یہاں ہمیں ایک اور بات بھی بیان کر نی ہے کہ فنون لطیفہ کو لہو و لعب میں شمار کر نے

والوں کے نزدیک اسلام اس دنیا سے نظر ہٹا کر اخروی نجات کی طرف توجہ دلاتا ہے اس لیے دنیا میں عشرت و آسانی کی بجائے سخت کوشی اس کا مقصود ہے۔یو نانی ثقافت اور ابراہیمی ثقافت میں فرق کرتے ہوئے عبد المغنی رقم طراز ہیں۔

چنانچہ اس ثقافت میں عریانی اور فحاشی کے لیے کوئی گنجائش نہیں،اور رقص و موسیقی و مصوری و سنگ تراشی جیسی چیزیں جنھیں یو نانی ثقافت میں فنون فنون لطیفہ کا نام دیا جاتا ہے۔ابراہیمی ثقافت میں ان کی حیثیت مکروہات کی ہے۔۔۔۔۔بات یہ ہے کہ ابراہیمی ثقافت زندگی کے جس نظریے پر مبنی ہے اس میں سارا زور دینوی زندگی کے عیش و عشرت کی بجائے اخروی شادمانیوں پر دیا گیا ہے۔(۶)

ہم اس نقطہ نظر سے اس لیے اختلاف کرتے ہیں کہ اسلام محض اخروی نجات کے لیے نہیں آیا بلکہ وہ ایک احسن زندگی کے لیے ضابطہ حیات لے کر آیا ہے جس میں واضح طور پر لکھا ہے

﴿**هوالّذی ارسل رسوله بالهدیٰ و دین الحق لینطهره علی الدین کله**﴾

(ترجمہ) اُس نے اپنے رسول کوہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا کہ اسے تمام ادیان پر غالب کر دے ۔(سورہ الصف آیت ۹)

گویا دنیا میں غلبہ بھی اس کا مقصود ہے محض آخرت مد نظر نہیں بلکہ اصل تو یہ ہے کہ دنیا میں غلبے کے ذریعے ہی اخروی فلاح کا حصول ممکن ہے اس لیے کمزور سطح پر جینے کا تصور تو مذہب اسلام ہر گز دیتا ہی نہیں ہے اور برتر سطح کے حصول کے لیے سائنس و ٹیکنالوجی اور علوم و فنون کوکسی طرح بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔دنیا میں اسلام کے مغلوب ہو جانے کا باعث بھی یقینا یہی سوچ ہے کہ دنیا کو ایک قید کی صورت میں جیسے تیسے بسر کیا جائے تا کہ اس کے بعد آ خرت کی صورت میں آزادی کی بسیط فضا میسر آ سکے۔اسی سوچ نے مسلمانوں کو ذہنی اعتبار سے کند کر دیا اور قید خانے کا ماحول پیدا کر نے کے لیے اسے زیادہ کوشش نہیں کر نی پڑی اور یہ بھی باور ہو کہ یہ راستہ سخت کوشی کی بجائے تن آ سانی کا ہے کہ جیسے تیسے زندگی بسر کی جائے۔

موسیقی کی حلت و حرمت کی بحث سے عالم اسلام نے آج تک کوئی نتیجہ اخذ نہیں کیا۔ موسیقی کی حرمت پر بحث کے باوجود عالم اسلام میں اسلامی حکومتوں نے موسیقی سے جس شغف کا

ظہار کیا اور اس کے فروغ میں دلچسپی لی وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔تصوف کے راستے سے جس طرح موسیقی اسلام میں داخل ہوئی اور خانقاہ کے اندر پہنچ گئی اُسے بھی کسی طور نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ پھر کیوں نہ اس بحث کو آلات موسیقی کی بجائے مضامین موسیقی کی طرف لے جایا جائے جو ظاہر ہے کہ اخلاق انسانی کے لیے مضر اور غیر مضر کا درجہ رکھتے ہیں۔اگر آلات موسیقی فی الاصل غلط ہوتے تو ہر قسمی آلات کو غلط قرار دیا جاتا ،دف وغیرہ بجانے کی اجازت نہ دی جاتی۔اس لیے آلات موسیقی کی حُرمت پر زور بیان صرف کرنا خود وقت کا ضیاع ہے۔موسیقی کو اخلاقِ انسانی کی نشو ونما کے لیے استعمال کرنا تصوف کی روایت نے سکھایا ہے اس کی طرف بھی دھیان جانا چاہیے۔

ڈاکٹر تنویر احمد علوی رقم طراز ہیں۔

ہم نے اس پر غور نہیں کیا کہ تصوف کے مسائل اور روحانیت کے اسرار و رموز عوام تک کیسے پہنچے اور ان کے دل کی گہرائیوں میں یہ روشنیاں کیسے اتر گئیں۔ذرا توجہ سے اس معاملے پر اگر سوچا جائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ گیت اور گیتوں میں گھلی ہوئی موسیقی اس کا سب سے بڑا سبب بنی۔(۷)

طبلِ جنگ اور نقارے وغیرہ کی آواز اگر مضر ہوتی تو روزے کے اعلان اور جنگوں میں اس کا استعمال نہ کیاجاتا ،گویا

یہ خود برے نہیں بلکہ ان کا استعمال قابل گرفت ہو سکتا ہے ، سو بحث کو اس سمت لے جانا چاہیے۔بعض لوگوں کا یہ خیال بھی ہے کہ یہ یہ ساز تو جائز ہیں دیگر غلط ہیں۔یہ خیال بھی عقلی اعتبار سے درست نہیں کیوں کہ اصل معاملہ تو دل خوش کُن آواز کا ہے وہ ڈھول سے نکلے ، دف سے نکلے۔باجے سے ،بانسری سے، شہنائی سے یا گلے سے بہر صورت وہ ایک ہی زمرے میں آتی ہے۔اس لیے حلت و حرمت کی یہ تقسیم بالکل ہی مہمل ٹھہرتی ہے۔

اسے محض صَوت کے زمرے میں رکھنا چاہیے اور صوت کے حوالے سے صوفی اور موسیقار حضرت عنایت علی خان نے نظام دکن سے گفتگو کرتے ہوئے یہ رائے دی کہ:

صوت ظہور اور رمز کشائی کا بلند ترین وسیلہ ہے اس لیے یہ پر اسرار ہے۔جو کوئی صوت و ترنم کا علم رکھتا ہے اس کے لیے اس کائنات کے اہم ترین راز، راز نہیں ہیں میری موسیقی میری فکر

ہے اور میری فکر میرا جذبہ ہے میں جذبات کے سمندر میں جس قدر گہری ڈبکی لگاتا ہوں اتنی ہی خوبصورت دھنوں کے موتی لے کر ابھرتا ہوں۔ میری موسیقی دوسروں کو محظوظ اور مسحور کرنے سے قبل مجھے وجد آور سرور سے آشنا کرتی ہے۔ میری موسیقی میرا دھرم ہے اس لیے دینوی دولت اس کا مول نہیں چکا سکتی۔ موسیقی میرے لیے تکمیل کا راستہ ہے۔ جادۂ تحصیل نہیں۔(۸)

یہ تو ہوئی ایک صوفی اور رمز آشنا کی موسیقی کے بارے میں رائے۔

البتہ ایک اور بات موسیقی کے حوالے سے لائق اعتنا ہے کہ موسیقی سے اتھلا تعلق جذبات میں توازن پیدا کرنے کی بجائے عدم توازن پیدا کرتا ہے۔ اسلام میں موسیقی سے دوری کی تعلیم شاید اس حوالے سے ہو، کیوں کہ اعلیٰ ذوق اور ذوق کی پختگی ہر ایک کے بس میں نہیں ہو تی اس لیے احتیاط کے طور پر اس کی بندش کو بہتر سمجھا گیا۔

ڈاکٹر ایچ جے کریم بخش وٹوین حضرت عنایت خان کے ذوق موسیقی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اسی دوران انہوں نے یہ بھی جان لیا کہ وہ لوگ جو موسیقی میں گہرا نہیں اترپاتے ،ہیجان اور برانگیختگی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگ زندگی کے سطحی پہلوؤں اور اعمال و اشغال میں کھو جاتے ہیں۔ محبت اور نفرت کے بے لگام جذبات کے غلام ہو کر ہر لمحہ غیر مستحکم جذبات کے رحم و کرم پر رہتے ہیں۔(۹)

سو اس پہلو پر بھی تحقیق کاروں کی توجہ جا نی چاہیے کہ موسیقی کا ذوق کیا ہیَ ؟کیسے ہے؟ فطری ہے یا اکتسابی؟ اس کی تربیت کیوں کر کی جا سکتی ہے ؟ اور مضامینِ موسیقی کی راستی سے کیامطلب ہے؟

حوالہ جات

۱۔ محمد ہادی حسین،"کلچر اور فنونِ لطیفہ" مشمولہ"کلچر" ، (مرتب) ، اشتیاق احمد، بیت الحکمت ، لاہور۲۰۰۷،ص۳۰۶

۲۔ جیون خان،" جیون دھارا" ، سنگت پبلشرز،لاہور،۲۰۱۵،ص۱۴۶

۳۔ تنویر احمد علوی ،ڈاکٹر،"ہمارا تہذیبی ورثہ" ، نئی دہلی، شاہد پبلی کیشنز،۲۰۰۰، ص۱۶۱

۴۔ علی عباس جلالپوری ، " اشراکیت اور آرٹ " مشمولہ، ادبی دنیا، لاہور، نومبر ،۱۹۴۳،ص ۲۲

۵۔ والکوف،"نیست پیغمبر"،مترجم، شاہ محمد مری ، تخلیقات، لاہور،۲۰۱۲، ص۱۶

۶۔ عبدالمغنی ،"اردو ادب میں اسلامی ثقافت کے مظاہر"، مشمولہ، نقوش ،شمارہ ۱۰۶، اکتوبر ، نومبر ، دسمبر۱۹۶۶ ،ص۸۱

۷۔ تنویر احمد علوی ،ڈاکٹر،"ہمارا تہذیبی ورثہ" ،ص۱۸۷ ،

۸۔ ایچ جے کریم بخش وٹوین،ڈاکٹر،" عالمگیر تصوف"، مترجم ،جمشید اقبال ،ملتان ، بیکن بکس،۲۰۰۸،ص ۴۳

۹۔ ایضاً،ص۴۱